کراچی کا المیہ اور 'مذہبی فرقہ واریت'
'اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'

وقت کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ جب مذہب کے نام پر مذہبی روح کو کچلا جا رہا تھا اور مذہب ہی کے نام پر اللہ کی زمین پر انسانی خون بہہ رہا تھا، اس وقت اسلام نے انسان کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دِلایا اور فرمایا کہ انسان اپنی فکر اور عمل میں آزاد ہے[1]۔ اس کے سامنے نیکی اور برائی کی دونوں راہیں کھلی ہیں۔ اپنی مرضی سے جس راہ کو اختیار کرنا چاہے، کرسکتا ہے[2]۔ مسلم مفکرین نے مزید کہا کہ کائنات میں قدم قدم پر پھیلے ہوئے خدائی کاموں کا مشاہدہ و مطالعہ ایک مقدس کام ہے۔ یہ مطالعہ یہ غور وفکر ایسی ذاتِ گرامی کا پتہ دیتا ہے، جو اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اس سے رشتہ جوڑے بغیر انسانی روح کو قرار نہیں ملے گا۔

تاریخِ مذہب میں اسلام نے فکری آزادی کا جو اعلان کیا تھا، اس پر مغرب میں بہت کچھ لکھا گیا، لیکن بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف مارکسی انقلابی دانش ور ایم۔این۔رائے (M.N. Roy) نے اپنی کتاب *The Historical Role of Islam* میں ایک نئے انداز سے لکھا: ''آخری بڑے مذاہب میں اسلام عظیم ترین مذہب تھا، چنانچہ اس نے تمام مذاہب کی بنیادوں کو ڈھا دیا۔ اس کا یہ عمل اس کی تاریخی عظمت کی روح ہے[3]۔'' (ص ۸۳)

---

(۱) لا اکراہ فی الدین. (البقرۃ:۲۵۶)

(۲) فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر. (الکھف: ۲۹)

من عمل صالحاً فلنفسہ و من اساء فعلیھا. (فصلت:۴۶)

(3) "The latest of Great Religions, Islam was the greatest; and as such destroyed the basis of all religions." (P.83).

''اسلام اور عربی تعلیمات کا مرکز وہی تاریخی سرزمین ہے جہاں پر پرانی مصری، اشوری، یہودی، ایرانی اور یونانی تہذیبیں اُٹھیں، ٹکرائیں اور زوال پذیر ہوئیں۔ پہلی تہذیبوں کا مثبت نتیجہ یہ تھا کہ اُنہوں نے عرب کلچر کے خدوخال بنانے میں حصہ لیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عظیم نظریۂ توحید نے ان پرانی قوموں کے مذہبی اصولوں کو اپنا لیا۔[1]

مسلم دُنیا کی فکری اور عملی کامیابیوں کے بعد مسلم معاشرے پر زوال آیا۔ ایسا کیوں ہوا، اس پر لکھتے ہوئے M.N. Roy نے لکھا: ''جب آزادئ فکر کا، جس کی اجازت صحرائی لوگوں کے سادہ عقیدے (اسلام) نے دی تھی... ٹکراؤ مسلمانوں کے اربابِ اقتدار کی دُنیاوی دلچسپیوں سے ہوا، تو قرطبہ کے والی نے مذہبی رہنماؤں کے اصرار پر ایک فرمان جاری کیا، جس میں دوزخ کی آگ کے حوالے سے مذہبی بنیادوں پر 'ملحدانہ خیالات' کی مذمت کی گئی۔ اسلام کی مقدس ترین تعلیم کی مذمت دراصل انسانی ترقی کے تنزل کی ابتدا تھی...'' (ص۹۲)

سپین میں آزادئ فکر کے نام لیوا عربوں کے ساتھ دین و دانش کے دشمنوں نے جو سلوک کیا۔ تاریخ آج تک اِس کے ماتم سے فارغ نہیں ہو سکی۔

یہ دیکھ کر انتہائی دُکھ ہوتا ہے کہ اہلِ پاکستان کی اکثریت (شیعہ اور سنی) جو توحید و رسالت کے مضبوط رشتوں میں منسلک ہے اور اسلام کی عظیم فکری اور روحانی روایات کی وارث، ابھی تک پوری طرح سے مذہبی فرقہ واریت سے نجات حاصل نہ کر سکی۔ گزشتہ مئی میں کراچی میں جو ہولناک فسادات ہوئے ہیں۔ اس نے بتا دیا ہے کہ ہم اخلاقی طور پر کس مقام پر کھڑے ہیں؟ صد افسوس! ہم نے بڑی بے رحمی سے اپنی شاندار مذہبی اور روحانی روایات کو بحیرۂ عرب میں غرق کر دیا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہم نے نہ صرف اپنے ہی بھائیوں کا خون اللہ کے گھر

---

(1) The centre of Islam and Arabic learning was in these very historical regions where the older civilizations of Egyptians, Assyrians, Jews, Persians and Greeks had arisen, clashed and fallen. The positive outcome of those earlier civilizations went into the making of Arabian culture and the remarkable Monotheism of Muhammad (BPUH) made its own the cardinal principles of the religions of those ancient peoples. (p.83).

میں بہایا بلکہ سڑکوں پر چلنے والے عام لوگ بھی فرقہ واریت کی آگ میں جلے۔ اُن کی کاریں یا دکانیں جلا دی گئیں۔ کیا کوئی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی ضابطہ ہمیں اس بھیانک رویے کی اجازت دیتا ہے؟ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جدید دور اپنے جلو میں نئی صحت مند روایات لایا ہے۔ افسوس! نہ تو ہم اپنی کلاسیکل فکری اور روحانی روایات کا تحفظ کر سکے اور نہ ہی جدید صحت مند روایات کا ساتھ دے سکے۔ میر نے ٹھیک ہی کہا تھا:

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

عہدِ حاضر میں دونوں جماعتوں کے اہلِ علم نے برابر کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے دونوں تاریخی گروہ ایک دوسرے سے قریب تر آئیں۔ چنانچہ شیخ عبدالکریم الزنجانی النجفی نے ۱۹۴۱ء میں اپنی کتاب **الوحدة الاسلامیه والتقریب بین مذاهب المسلمین** نجف سے شائع کی۔ اس کتاب میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ امام زنجانی نجفی نے سنّی، شیعہ اتحاد کے لیے قاہرہ میں شیخ الازہر مصطفیٰ المراغی اور شیخ محمود شلتوت سے کامیاب ملاقاتیں کیں اور دمشق کی اموی مسجد میں حضرت السجاد علی ابن الحسین زین العابدین سے صدیوں بعد امام نجفی اسلامی اور شیعہ تاریخ میں عہدِ حاضر کے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مسجد اموی کے منبر پر کھڑے ہو کر دُنیائے اسلام کے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ یہ رسالہ آج بھی طہران سے شائع ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ چند سال پہلے شیخ الازہر مرحوم شیخ شلتوت نے تین طلاق کے بارے میں فتویٰ دیتے ہوئے لکھا کہ ہم اس مسئلے میں فقہ جعفریہ کے مسلک پر فتویٰ دیتے ہیں۔[1]

قرآن مجید نے اہلِ صفا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کے بندے تو وہ ہیں، جو زمین پر وقار سے چلتے ہیں اور جب بے وقوف لوگ اُن سے نادانی کی بات کرتے ہیں تو (تم پر) سلامتی ہو، سے جواب دیتے ہیں۔ (الفرقان، ۶۲-۶۳)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: مجلّہ الازہر، فروری، ۱۹۵۹ء، آراء واحادیث، لصاحب الفضیلۃ، الشیخ الاکبر محمود شلتوت، نیز ملاحظہ ہو، المعارف، لاہور، اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۰ء، اداریہ ''بنگلہ دیش کی عدالت کا ایک تاریخی فیصلہ''، ص ۷۔

خطاب کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا: ''آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بُلاؤ تو اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کرو، اور اچھے طریقے پر پند ونصیحت کرو۔ اور مخالفوں سے بحث کرو، تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ حسن وخوبی کا طریقہ ہو۔'' (النحل:۱۲۵) اگر ہمیں کشاکشِ روزگار اور باہمی نفرت سے فرصت مل جائے، تو نہایت ہی صبر وتحمل سے اپنی گھات میں بیٹھ کر اپنی 'انا' کا تماشہ ضرور دیکھنا چاہیے، شاید اس وقت ہمیں پتہ چلے کہ ہماری 'انا' کن کن بیماریوں کا شکار ہے۔ ان بیماریوں میں 'نفرت' اور 'تشدد' ایسی بیماریاں ہیں، جو ہماری تباہی اور رسوائی کا سبب بنی ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''خدایا! گواہ رہنا، سب بندے بھائی بھائی ہیں۔'' ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: ''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کی نگاہ میں عزیز تر وہی ہے جو اس کے کنبے کے لیے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے۔'' ایسی پاکیزہ تعلیمات رکھتے ہوئے یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم نہ صرف پوری انسانی سوسائٹی سے بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی برسرپیکار ہیں۔ سعدی نے ٹھیک کہا ہے کہ اہلِ صفا نے تو اپنے حسنِ عمل سے دشمنوں کے دِل بھی جیتے ہیں، اور ہمارا حال یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو بھی دشمن بنالیا ہے۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام
کہ بادوستانت خلاف است و جنگ

بے شبہ ان فسادات نے ہمارے اخلاقی اور سماجی نظام کے چہرے سے نقاب کو اُلٹ دیا ہے۔ حالاں کہ دونوں عظیم گروہ شیعہ اور سُنی، خدا کی توحید اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نبوت پر دِل کی گہرائیوں سے یقین رکھتے ہیں۔ لیکن علمِ کلام اور فقہ کی چند اختلافی جزئیات نے ہماری ساری فکری، اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کو جذب کرلیا ہے اور صبر وتحمل اور عفو وکرم کی ساری تعلیمات جو قرآن اور اسوۂ رسولؐ سے ہمیں ورثے میں ملی تھیں، ہم نے انہیں

غرقِ دریا کر دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے علم الکلام کی عینک کو اُتار کر قرآن مجید اور سیرتِ رسول ﷺ کو پڑھیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ ملکوتی نغمہ ہمارے فکر ونظر کی جلا اور قلب وروح کی تسکین کے لیے اپنے پاس کیا کیا سروسامان رکھتا ہے۔ پکھتال نے سچ کہا تھا کہ ''قرآن مجید کی ایک ایسی سمفنی (Symphony) ہے، جس پر انسانی آنکھ سے آنسو گرتے ہیں اور سننے والا جذب ومستی سے سرشار ہوتا ہے[1]۔''

حقیقت یہ ہے کہ اہلِ علم نے خواہ ان کا تعلق اہلِ سنت سے ہے یا اہلِ تشیع سے، ہمیشہ حق کا ساتھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ایک شیعہ اسکالر، مولانا مرتضیٰ نے معراج العقول جیسی کتاب لکھی تو ابوالکلام آزاد نے لکھا: ''فریقانہ نزاعات اور تقلید نے ہمتوں کو پست کر دیا ہے اور کسی شخص کو راہِ حقیقت میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ معراج العقول کو جزائے خیر دے، جنہوں نے اس راہ میں قدم رکھا اور اجتہاد واستقلالِ فکر کے ساتھ اپنی سیاحتِ تحقیق ختم کی۔'' ابوالکلام نے مزید لکھا: ''میں نے کبھی سنیوں کی کسی بات کو محض اس لیے اچھا نہیں کہا کہ وہ سنی ہیں، اور شیعہ کی کسی سچائی سے انکار صرف اس لیے نہیں کیا کہ وہ شیعہ ہیں۔ حق وصداقت کی طہارت 'جماعت بندی' کی گندگی سے آلودہ نہیں ہو سکتی۔'' (البلاغ، ۱۸/فروری ۱۹۱۶ء، ص ۱۱۸)

مولانا نے معراج العقول کے مصنف (مولانا مرتضیٰ) کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا: بہاء الدین عاملی کے بعد معراج العقول کے مصنف پہلے صاحبِ علم ہیں جو مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہیں۔

خاکسار یہاں دوسرے واقعہ کو بھی بیان کرنا وقت کی ضرورت سمجھتا ہے۔ مرحوم پروفیسر اطہر علی، علی گڑھ یونیورسٹی سے آسٹریلیا کی یونیورسٹی میں چلے گئے تھے۔ جہاں اُنہوں

---

(1) The Glorious Koran that inimitable of Symphony, the very sounds which move to tears and ecstasy."

(دیباچہ از انگریزی ترجمۂ قرآن از پکھتال)

نے پروفیسر بھاشم سے مل کر ہندوستان کی تاریخ پر لکھا ہے۔ اُنہوں نے .U.P میں جدوجہدِ آزادی سے متعلق تاریخی دستاویزات مرتب کی ہیں، جسے یوپی حکومت نے شائع کیا ہے۔ ان دستاویزات میں اُن علمائے کرام کا بھی ذکر ہے، جنہوں نے تحریکِ آزادیٔ ہند میں حصہ لیا تھا، وہ گرمیوں میں آسٹریلیا سے لندن آیا کرتے تھے۔ ان سے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء میں لندن یونیورسٹی کی طلبہ یونین میں ملاقاتیں رہتیں۔ ایک دفعہ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ جب ۱۹۳۵ء میں یو۔پی میں کانگریس حکومت تھی اور پنڈت پنتھ وزیرِ اعلیٰ۔ اس وقت لکھنؤ میں 'شیعہ سنی' تعلقات کشیدہ تھے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف جلوس نکال رہے تھے، جس پر .U.P حکومت نے پابندی لگا دی تھی۔ جب لکھنؤ کے سنی مسلمانوں نے مدحِ صحابہ کے سلسلہ میں جلوس نکالنے کی اجازت مانگی تو حکومت نے اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام سے رجوع کیا تو مولانا نے اپنے ایک خط بہ نام وزیرِ اعلیٰ میں لکھا کہ وہ اہلِ سنت کو مدحِ صحابہ سے متعلق جلوس نکالنے کی اجازت نہ دے۔ جب لکھنوی مسلمانوں کو اس بات کا پتہ چلا تو اُن کا ایک وفد ابوالکلام سے کلکتہ میں ملا، مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں کہا: ''میرے بھائی! وقت کی نزاکت سمجھو، شیعہ-سنی موجودہ نزاع مسلمانوں کے قومی مفاد میں نہیں۔'' پروفیسر موصوف نے خاکسار سے کہا کہ اُنہوں نے یہ فائل خود پڑھی ہے۔

صحیح بات وہی ہے جو علامہ سیّد انور شاہ کشمیری کہا کرتے تھے کہ دو مذہب کے دو شریف آدمی آپس میں مل کر بیٹھ جاتے ہیں، لیکن ایک ہی مذہب کے دو پست نظر نام لیوا ایک جگہ مل کر بیٹھ نہیں سکتے۔[۱]

خاکسار کو یقین ہے کہ مسلمانوں کے اہلِ نظر (شیعہ ہوں یا سُنّی) اگر ذرا متحرک ہو جائیں تو اس مسئلہ کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں۔ شیعہ حضرات میں خاکسار ایسے اہلِ نظر کو جانتا ہے جو دونوں فریقوں کے ہاں معزز و محترم مانے جاتے ہیں۔ کیا کوئی مرحوم پروفیسر کرار حسین یا ڈاکٹر

---

(۱) یہ بات خود مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحب کے بڑے لڑکے سیّد ازہر شاہ نے ہمیں بتائی۔ مرحوم حکیم محمد شریف جگرانوی اور خاکسار اپنے قیامِ دارالعلوم میں حضرت شاہ صاحب کے مکان پر رہتے تھے۔